


180 / ROP

1. Name of the book : NISHAT-E-ARZOO
(Urdu Poetry)
2. Name of the poet : MOMIN KHAN SHAUQ
3. Year of publication : November, 1993
4. Price : Rs.40-00
5. Total No.of pages : 128
6. Printed at : Ejaz Printing
Press, Chatta
Bazar, Hyderabad
7. Published by : Momin Khan Shauq
~~2000~~ (partly aided
by the A.P.Urdu
Academy)
8. Address : Ashraf Villa,
11-3-723,
Mallepally,
Hyderabad-1.

CP


MOMIN KHAN SHAUQ
23/11/93

Acc - No.

110

تیسرا شعری مجموعہ

186

4-93

نشاطِ آرزو

مومن خان شوق

© مجملہ حقوق بحق مصنف محفوظ۔

Acc. No.

110

سن اشاعت: ۱۹۹۳ء

تعداد: ۵۰۰

کتابت: محمود سلیم - محمد اقبال

سرورق: سید مختار

طباعت: اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار حیدرآباد۔

قیمت: چالیس روپے (Rs. 40/-)

خلیجی ممالک: 20 ریال - امریکہ: 10 ڈالر

یہ کتاب اردو اکیڈمی آئندھرا پردیش کی جزوی مالی اعانت سے شائع کی گئی۔



ملنے کے پتے:

891112311
۲۰۱۱

○ حتمی بک ڈپو، چار کمان، حیدرآباد - ۲

○ ادبی مرکز، اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد

○ مکتبہ شاداب، ۱۱-۵-۱۴۱ ریڈ ہلز - حیدرآباد۔

○ سیما پبلشرز اینڈ بک پروڈیوسرز، ۴، وینکٹ گیری نگر، یوسف گڑھ، حیدرآباد

○ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دلی - بمبئی - علی گڑھ۔

○ مصنف: اشرف ولا، ۱۱-۳-۷۲۳ روڈ راجہ جامع مسجد

ملنے پتی - حیدرآباد - ۱

انتساب

شہر مروت حیدر آباد

کے

نام

یہ شہر مروت ہے، قطب شاہ کی دولت
 اخلاص کی عظمت ہے، قطب شاہ کی دولت
 یک جہتی، رواداری سے تم اس کو سنوارو
 یہ پاسِ محبت ہے، قطب شاہ کی دولت

ترتیب

کرن کرن اُجالا	ڈاکٹر صادق نقوی
حرفِ تاثیر	ڈاکٹر منشاء الرحمن منشاء
بیان اپنا	مومن خاں شوق

حمد
نعت
غزلیں
نظمیں
قطعات
گیت



کرن کرن اجڑا

شاعری لفظوں کے دامن میں نکل کر جذبات کے مثبت اقدار کی کشید کاری ہے۔ واقعات اور حادثات سے فضاؤں میں پیدا ہونے والے ارتعاش کو شاعر جب خونِ جگر کی روشنائی سے نذرِ قسطاں کرتا ہے تو شعر کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن یہ کانٹوں پر رہنے یا مسافر کا سفر ہے جو ہرگز تائید کو نصیب نہیں ہوتا۔ خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں بیدار دہن اور روشن آنکھیں ملتی ہیں۔ میر دردست مومن خاں شوق ان ہی خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں۔ زندگی کے مثبت اقدار پر شوق کا ایمان، ایمان کی طرح مضبوط ہے۔ اگر آپ کی ملاقات کبھی ان سے ہوئی ہو یا آپ نے ان کے ساتھ کچھ وقت گزارا ہو تو آپ بھی یقیناً میسر ہم خیال ہوں گے۔ بھرپور جسم، روشن آنکھیں، لبوں پر مسکراہٹ لیے یہ صاف ستھری شخصیت کا شاعر اپنی شخصیت کی طرح شاعری میں بھی اُجالے بکھیرتا ہے۔

اس مجموعے سے قبل شوق کے دو مجموعے ”بدلتے موسم“ اور ”چاندنی کے پھول“ شائع ہو چکے ہیں۔ اس لیے شوق دیناے ادب کی کسی نئی آواز کا نام نہیں ہے۔ شوق کا لہجہ قارئینِ ادب کا جانا پہچانا لہجہ ہے۔ ان کی شاعری میں پیار و الفت کے جذبات کا بہتا ہوا دریا اپنے رخ سے

قاریں کو متعارف کرا چکا ہے۔ لیکن اس تیسرے اور تازہ مجموعے میں شوق کی شاعری آکس اور یاس کے امتزاج سے ایک نیا رنگ اختیار کئے ہوئے ہے۔

قلی قطب شاہ کے بسائے اس شہر میں جو شوق کے لیے شہر مروت ہے۔ جیب فسادوں کی آگ بھڑک اٹھی توحید آباد کے ہر صاحب فکر کی فکر ان شعلوں سے جلنے لگی۔ اسی لیے اس دور میں جتنے شعر لکھے گئے ان میں آپ کو ان ہی شعلوں کی دمک ملے گی۔ شوق کے اس مجموعے میں ایسے کئی شعر ہیں۔ بعض نظمیں تو ان کے کرب کا مکمل اظہار کرتی ہیں۔ اپنی نظم ”مروتوں کے شہر میں“ شوق اس کرب کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

مروتوں کے شہر میں، یہہ کیسا سانحہ ہوا

دھواں، دھواں ہے آزد

قلی قطب کے شہر میں

یہہ کیا ہوا، یہہ کیوں ہوا؟

نظر نظر، کمرن کمرن، حیات تھی

یہہ لوٹ مار، قتل و خون کیوں ہوا

کہاں گئی وہ روشنی؟

محبتیں، رفاقتیں کہاں گئیں

اے دوستو! اے بھائیو!

اسی سلسلے کا ایک قطعہ بھی شوق کے جذبات کا بھرپور آئینہ دار ہے

بستی بستی ایک ہی منظر ہے؛ کوچہ کوچہ اُگے ہیں پتھر
 پھول ترستے ہیں ہاتھوں کو؛ ہاتھوں میں کب تک یہ خنجر
 ایسا نہیں ہے کہ شوق کی شاعری صرف یاس کی مظہر ہے
 وہ ان پر آئینہ حالات میں بھی آس کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے
 ہیں۔ اس لیے اُن کی نظمیں اور بیشتر قطعات اُن کی آرزوں اور اُمیدوں
 کے آئینہ دار ہیں۔

”اپنے شہر والوں کے نام“ اُن کا پیام دیکھئے
 ریتی ہوئی باتوں کو بھول جاؤ دوستو
 جو کچھ ہوا ہے اُس کو نہ دہراؤ دوستو

ہم ایک تھے، ہم ایک ہیں، ہم ایک رہیں گے
 سب مل کے آج، گیت یہی گاؤ دوستو
 اپنی نظم ”کل آئے سویرا“ کے آخری بند میں اُن کا یہی جذبہ موجود ہے
 بھلا دیں رنجشوں کو؛ مٹا دیں سازشوں کو
 ابھاریں مل کے ہم تم؛ وفا کی خواہشوں کو
 مٹے دل کا اندھیرا
 کل آئے سویرا

لیکن اگر ”نشاطِ آرزو“ کا مطالعہ اسی ایک رُخ سے کیا جائے تو شاید
 شوق کی شاعری کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اُن کی غزلوں میں کئی ایک شعر
 ایسے ہیں جن میں اُن کی فکر کی گہرائی اور گیرائی اُجاگر ہے۔ وہ سیدھے سادھے
 لفظوں میں اپنی فکر کو قاری کے ذہن تک پہنچانے میں ہمارت رکھتے ہیں۔

آپ کو ان کی شاعری میں نہیں کوئی ایسا لفظ ملے گا نہ کوئی ایسی ترکیب جو
ناموس ہو۔ ان کے لئے شاعری لفظوں کی بازی گری نہیں ہے۔ صاف ستھری
اور مانوس زبان میں خوبصورت شعر اس مجرمے کی زینت ہیں۔

سناٹا آواز بنا ہے ؛ درد کالیوں اظہار ہوا ہے

پیا اس بن کر جو مرے لب سے الجھتا ہو گا
وہ سمندر می تقدیر میں لکھا ہو گا

اندھیوں نے وہ ستم ڈھائے ہیں شوق

ہم تو بس اک برگِ آوارہ ہوئے

اب زندگی کے نام پر اشعار کیا لکھیں
جلتی ہوئی حیات کا منظر نظر میں ہے

زرگی پیچ و خم سے گزرتی رہی ؛ لوگ چلتے گئے راستہ بن گیا

ما کیوں ہے ہر اک انساں ؛ اپنا چہرہ نوح رہا ہے

وہ جوں کی سازش نے سا گردوں کو پی ڈالا

بوند بوند پانی کو مچھلیاں ترستی ہیں

مجھے اُمید ہے کہ یمن خان شوق کا یہ تیسرا مجموعہ بھی ادب کے

ستاروں سے دادِ تحسین حاصل کرے گا۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

ڈاکٹر صادق نقوی
(ریڈر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ)
حیدرآباد۔



۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء

حرفِ تاثر

میں جب کبھی شہرِ مروت حیدرآباد فرختہ دہ بیناد آتا ہوں تو مجھے
مومن خزاں شوق سے لبرِ شوق ملاقات ضرور کرتا ہوں۔ پٹھانیت اور ذوقِ
شعر گوئی ہم دونوں میں قدرِ مشترک ہے۔ شوقِ صاحب جہاں ایک خوش گو
اور خوش فکر شاعر ہیں وہیں ایک مخلص و خوش اخلاق انسان بھی واقع ہو
ہیں۔ جب کبھی ملتے ہیں والہانہ خلوص اور مومنانہ اپنائیت کے ساتھ ملتے ہیں۔
ان کے خلوصِ دل کی جھلکیاں ان کے کلام میں بھی جا بجا پائی جاتی ہیں۔

بقولِ راقم

فن سے فنکار کے کردار کا چلتا ہے پت

کوئی دیوار نہیں ہے فن و فنکار کے بیچ

ہندوستان گیر شہرت رکھنے والے اکثر رسائل و جرائد میں کلامِ شوق
بارہامیری نظر سے گزرا ہے اور جیسے بغور پڑھ کر میں مسرور بھی ہوا ہوں اور
متاثر بھی۔ یوں کہنے کو تو شوقِ صاحب زرعی یونیورسٹی کے شعبہء حسابیات کی
ملازمت سے منسلک ہیں مگر خدا داد ذوقِ ادب اور تخلیقی صلاحیتوں کی بنا پر
فنِ شعر گوئی میں غیر معمولی کمال حاصل کر لیا ہے۔ غزلیں بھی کہتے ہیں اور نظمیں
بھی۔ قطعات بھی قلمبند کرتے ہیں اور گیت بھی۔ ان کے دو شعری مجموعے
(۱) بدلتے موسم اور (۲) چاندنی کے پھول منظرِ عام پر آچکے ہیں اور شائقین

شعر و ادب سے بھرپور دادِ سخوری حاصل کر چکے ہیں۔ مقامِ مسرت ہے کہ اب ان کا تیسرا شعری مجموعہ بنام ”نشاطِ آرزو“ منصفہ شہود پر جلوہ گر ہو رہا ہے۔ شوقِ صاحب کے محاسنِ کلام پر تفصیلی گفتگو کرنے کا نہ موقع ہے نہ مقام نیز صفات کی کوتاہ دامنِ تبصرہ کے سلسلے میں مانع کار ہے۔ پھر بھی اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ان کا اندازِ سخن بڑا پیارا اور اسلوبِ شعر گوئی نہایت سیدھا سادہ اور دلنشین ہے تیز پرکاری اس پر مستزاد ہے۔

سادگی کے ساتھ جس میں حسنِ پرکاری بھی ہو

غشا ایسی شاعری کی بات ہی کچھ اور ہے

آپ اردو شاعری کی کلاسیکل روایات کی پاسداری پورے التزام کے ساتھ کرتے ہیں نیز دہِ حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے شعر گوئی کے اسلوب اور ڈکشن میں جدیدیت کا انداز بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کے اکثر اشعار جدید لفظیات اور جدید رنگ و آہنگ کے ساتھ تخلیقی رویے کے اعتبار سے نئے یا جدید شاعری کا اچھا خاصہ نمونہ پیش کرتے ہیں۔ مومن خاں مومن سے لے کر مومن خاں شوق سنگ اردو شاعری میں جو گونا گوں تغیرات رونما ہوئے ہیں اور اسلوبِ ہیئت اور طرزِ ادا نے جو مختلف کردیں بدلی ہیں ان سب کی جھلکیاں مجموعہ ہذا ”نشاطِ آرزو“ میں بدرجہ کمال پائی جاتی ہیں۔ ارد گرد کے ماحول سے رشتہ استوار رکھنے اور روحِ عصر کی بھرپور ترجمانی کرنے کے باعث شوقِ صاحب کے کلام میں عجیب شانِ دلبری اور عمری حسیت جلوہ گر نظر آتی ہے۔

عطا کی ہیں جہلوں کو ہم نے زبانیں

ہمیں زندہ رکھے گا۔ یہ فن ہمارا

میرے اس شعر کے عین مصداق شوق صاحب کے نازک ترین احساسات
 ۱۔ اہل جذبات باطنی کو جو شعری پیکر عطا کئے ہیں وہ لائق صفا داد و ستائش
 ۲۔ جذبات انسانی کی عکاسی، شعور کی پختگی اور تحصیل کی رنگ آمیزی
 ۳۔ دولت ان کے اکثر اشعار دامن دل کو اپنی طرف کھینچنے لگتے ہیں۔ حقیقت تو
 ہے کہ شوق صاحب بڑے سلجھے ہوئے شاعرانہ انداز میں اپنا مافی الضمیر
 سر و سخن کے روپ میں پیش فرمادیتے ہیں۔ ان کی پر لطف غزلوں میں
 شعر انگڑائیاں لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اپنے فرمایا ہے۔

نغمہ و شعر کی انگڑائی ہے

حشر سا حشر اٹھاتا موسم

آپ کی اکثر نظموں میں جہاں ندرت آمیز والہام اظہار خیال پایا جاتا
 ہے وہیں سبق آموز قطعات میں حوصلہ مندی اور رجائیت کا مخصوص رنگ
 بہار دکھاتا ہے مثلاً فرمایا ہے۔

شید کے مانند لکھلتے تو رہے ہیں ہر شب میں قرین کے نکلنے تو رہے ہیں
 سخن میں بیہ تذکرہ آئے گا یقیناً بہ حالات کو ہم لوگ بدلتے تو رہے ہیں
 لگتا ہے ”نشاط آزد“ کے اس خالق کو لفظ نشاط سے بڑا گہرا
 لگاؤ ہے۔ نشاط اور کیفیت نشاط اسے بے حد مرغوب ہے۔ اس لئے

صرف مجموعہ کا نام ہی نشاطِ آرزو نہیں رکھا ہے بلکہ نظموں اور غزلوں میں
جگہ جگہ اسی لفظ کا استعمال بھی کیا ہے شاید اسی وجہ سے ان کے کلام
میں نشاطیہ اور طربیہ رنگ چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ ذرا ان کی نشاط سامانی
کی مثالیں تو دیکھئے۔ ایک غزل میں فرماتے ہیں۔

غم نشاطِ حسیں اور حیاتِ پرورد ہے
کسی کی یاد سے معمور دل کا یہ گھر ہے
دوسری جگہ کہا ہے۔

غم حیات، نشاطِ حیات بن جائے
نگاہِ لطف ہو اک بار اور کچھ بھی نہیں
ایک بڑی خوبصورت نظم میں مولانا ابوالکلام آزاد کو مخلصانہ خراج پیش
کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ابوالکلام ہیں بدرِ نیرِ آزادی
طلوعِ صبحِ تمنا، نشاطِ دیدہ و دل
خلوصِ پیار، وفا، آشنا طریقت تمام
وہ اپنی قامتِ زیبا میں جیسے حسنِ یقیں
ابوالکلام خطابت کا بے بدل پیکر
ابوالکلام سیاسی شعور کا منتظر

ایسے ہی زندگی کی تیرگیوں پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے۔
 زندگی خواب اک سہانا ہے ؛ زندگی درد کا فانی ہے
 زندگی ریح و غم کا لمحہ بھی ؛ زندگی ہے نشاط و نغمہ بھی
 سات رنگوں کا یہ نگینہ ہے ؛ زندگی بے بہا خزینہ ہے
 پھر ایک جگہ اپنے مروتوں کے شہرِ حیدر آباد کے حالیہ فتادات سے متاثر
 ہو کر لکھا ہے۔

وہ روشنی

جو پیار تھی ، نشاط تھی حیات تھی
 اُسے اگر دلا سکو تو زندگی بھرتے زندگی
 گلی گلی ، نگر نگر ہو پیار ہی کی چاندنی
 غزلیں اور نظمیں تو خیر اپنی جگہ ہیں۔ آپ کے اکثر قطعات ایک نشاط کے
 ذکر سے خالی نہیں مثلاً عیدِ رمضان کی مسرت آفرینیوں کے سلسلے میں
 ”نویدِ مسرت“ کے زیرِ عنوان لکھا فرمایا ہے۔

نویدِ مسرت ، نشاطِ تمنا

بہارِ آشنا ساعتِ عیدِ رمضان
 عبادت ، ریاضت نماز اور روزے
 مسلمان کے حق میں ہیں جنت کے سامان

عناصر اور لفظ و معنی کے نازک و لطیف تعلق باہمی کا خاص طور پر خیال رکھا ہے اور اس طرح فنِ شعر گوئی کے بین تقاضوں کا حق بحسن و خوبی ادا کیا ہے۔ نیز اپنے ذاتی تجربات اور اجتماعی زندگی کے مختلف حقائق کی عکاسیاں بھی کیں ہیں علاوہ ازیں آپ نے آج کے انسان کی نفسانی و جذباتی کشمکش، مکر بنی حیات اور ہیجانی کیفیات کے بے ساختہ اظہار کے لئے اپنی نظموں میں کئی مقامات پر علامتی اسلوب بھی اختیار کیا ہے اس طرح صداقت بیانی اور اشاراتی حسن کے باعث کلام شوق بہت خوشنما اور دل پذیر بن گیا ہے۔ اکثر غزلوں میں کلاسیکی شاعری کا حسین پرتو تے تے نمود و علامت اور نئے نئے تکراروں کے روپ میں نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ میں کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ مجھوں کی رومانیات اور معاملات حسن و عشق کے تعلق سے غیر ضروری مبالغہ آرائی سے ان کا کلام بالکل پاک و معرّ ہے۔ انہوں نے واقعیتِ زندگی کی راہ اپنا کر احساس و آگہی کو اپنا موضوعِ سخن بنایا ہے۔ ایسے جذبہ کی مگر مگر اور خلوصِ دل کی وہ دیہمی دیہمی آہنچ ان کے اشعار میں ملتی ہے جو دلوں کو گرمائے جاتی ہے۔ ان کے خوبصورت تمانہ شعری مجموعہ ”نشاطِ آرزو“ کی اشاعت پر میں انہیں خلوصِ دل کے ساتھ مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ۔

حکیم امت حضرت علامہ اقبالؒ نے فلسفہ زمان و مکان کی گتھیاں جس حکیمانہ انداز میں سلجھائی ہیں وہ تو خیر انہیں کا حصہ ہے مگر ان کے ایک خوشہ چین کی حیثیت سے ہمارے مومن خاں شوقی نے بھی حقیقتِ وقت کے تعلق سے کیا خوب لکھا ہے۔

وقت اپنا بھی ہے پرایا ۔ بھی ۛ یہ کڑی دھوپ بھی ہے سایہ بھی
گاہ روتوں کو دہناتا ہے ۛ گاہ ہستوں کو دہ رلاتا ہے
حادثے اس کے ساتھ رہتے ہیں ۛ چرخ تک اس کے ہاتھ رہتے ہیں
راز یہ جاننا نہیں آساں ۛ اس کو پہچانتا نہیں آساں
ہے وہ آشا بھی اور تراشا بھی ۛ سو تماشوں کا اک تماشا بھی
وقت پر جو نگاہ کرتا ہے
وقت اُس سے نباہ کرتا ہے

غرض یہ کلام شوقی میں نشاط انگیزی کے عناصر بدرجہ اتم ملتے ہیں۔
علاوہ ازیں بڑی خوبی کی بات تو یہ ہے کہ شوقی صاحب نے زندگی اور زمانے
کے تعلق سے سیدھی سادی اور سچی باتوں کو نہایت سادگی و پُرکاری اور
خوش اسلوبی کے ساتھ شعری پیکروں میں ڈھالا ہے۔ میں نے محسوس کیا
ہے کہ ”نشاطِ آرزو“ میں شامل اکثر نظمیں اور غزلیں نشاط انگیز
سرور آئیں اور مسرت بخش ہیں ان میں شوقی صاحب نے شعر کے جمالیاتی

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی
اللہ کرے مرحلہء شوق نہ ہو طے

ڈاکٹر محمد منشا الرحمن خاں منشا
سابق صدر شعبہ اردو و فارسی
ناگیور ہماو دیالیہ، ناگیور



المرقوم
۱۴ جون ۱۹۳۳ء
اراسٹار کی ٹاؤن ناگیور

بیان اپنا

میری شاعری کا سفر شروع ہوئے تقریباً ۲۵ سال کا عرصہ ہو رہا ہے۔ میرا یہ شعری سفر ابھی جاری ہے۔ اس سفر کے دوران میں آپ کی خدمت میں پہلا شعری مجموعہ ”بدلتے موسم“ ۱۹۸۱ء اور دوسرا شعری مجموعہ ”چاندنی کے پھول“ ۱۹۸۶ء پیش کر چکا ہوں۔ اب یہ تیسرا شعری مجموعہ ”نشاطِ آرزو“ ۱۹۹۳ء آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

شاعری ایک وسیع سمندر ہے اور میں ایک قطرہ جذبات، احساسات اور ماحول کا کرب ہی میری شاعری کا محور ہے۔ اس مجموعہ میں جو کلام شریک کیا گیا ہے وہ طرحی و غیر طرحی کلام کے علاوہ حالاتِ حافزہ اور زندگی کے مثبت پہلوؤں اور تلخ و شیرین واقعات کا آئینہ دار ہے۔ میں سیدھی سادھی زبان میں شعر کہنے کا عادی ہوں۔ جس میں آپ کو اردو کی شہر سنی اور ہندی کی مٹھاس بھی ملے گی کیوں کہ یہ دونوں زبانیں ہماری گنگا جمنی تہذیب کی علمبردار ہیں۔ ہم اس دور سے گزر رہے ہیں جس میں اردو بڑھتے دلتے روز بہ روز کم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم سب کو چاہیے کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو اردو تعلیم کے لئے خاص توجہ دیں تاکہ آنے والی نسل اردو بڑھتے لکھتے سے نابلد نہ رہے۔ یہ شعری مجموعہ ”نشاطِ آرزو“ آندھرا پردیش اردو اکیڈمی کی جریدی امداد سے شائع ہو رہا ہے جس کے لئے میں اربابِ معارف اردو اکیڈمی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

حیدرآباد کے ممتاز شاعر جناب صلاح الدین خیر صاحب جناب محمد قمر الدین صابری

اور جناب عزیز بھارتی صاحب کی رہنمائی اور مفید مشورے اس کتاب کی اشاعت میں بے حد کارآمد ثابت ہوئے جس کے لئے میں ان احباب کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔ ممتاز نقاد، شاعر اور پروفیسر تاریخ ڈاکٹر صادق نقوی صاحب نے اپنی گونا گوں مہر و فیات کے باوجود اس مجموعہ پر حوصلہ افزا رائے سے نوازا ہے۔ جس کے لئے انکی ادب نوازی پر ہدیہ تشکر بجالاتا ہوں۔ ڈاکٹر منشا الرحمن خاں منشا سالیق صدر شعبہ اردو و فارسی بہاؤ دلیہ ناگپور کی پر خلوص رائے کے لئے بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ہمیشہ کی طرح جناب محمود سلیم خوشنویس نے یہ نئی تمام تر توجہ سے ”نشاط آزد“ کو خوبصورت کتابت سے سنوارا ہے۔ جناب محمد اقبال نے بھی نثری حصہ کی خوبصورت کتابت کی۔ جناب نور محمد اعجاز پریس کی شخصی دلچسپی سے یہ کتاب منظر عام پر آسکی۔ جس کے لیے ان احباب کا ممنون و مشکور ہوں۔

آخر میں قارئین سے میری گزارش ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنی بے لگ رائے سے نوازیں۔

مومن خان شوق

بشرف و لا

۱۱ - 3 - 723

بے پٹی حیدر آباد۔ ا۔۔۔۔۔ ۵

۶۱۹۹۳
۲۹ اگست



حمد

فنا کے دشت میں یکسر قیام تیرا ہے
ازل سے آج تک بس پیام تیرا ہے

ترے جیب کے ہم اُمّتی ہیں ہم پہ کرم
رحیم نام ہے، اونچا مقام تیرا ہے

نگار خانہ ہستی، تجھی سے ہے روشن
ہر اک نظام سے بہتر نظام تیرا ہے

ترے ہی نام سے زندہ ہے کائناتِ جہنوں
ہے سب سے اعلیٰ و برتر مقام تیرا ہے

ہر ایک لفظ تقدس بھرا ہے قرآن کا
ہر اک کلام سے برتر کلام تیرا ہے

ترے کرم کے تصدّق، تری عطا کے نثار
حیاتِ شوق کا منظر تمام تیرا ہے



نعت

حق پرستی کے ہیں اعلان رسولِ عربی
میں سے معبود کے فرمان رسولِ عربی

آج اُمت ہے پریشان رسولِ عربی
کیجئے مشکلیں آسان رسولِ عربی

ہو جو دیدارِ مدینہ تو مقدر جاگے
ہے ہرے دل کا یہ ارمان رسولِ عربی

آپ سے ہٹ کے نہیں ہے کوئی عنوان، آقا
 آپ ہیں دین کے عنوان رسولِ عربی
 ہوں گنتہ گارِ مگر، آپ کا ہوں شیدائی
 آپ پر ہے مرا ایمان رسولِ عربی
 اپنی اُمت کے لئے آپ نے کیا کیا نہ کیا
 آپ کا ہے یہی فیضان رسولِ عربی
 کچھ نہیں چاہیے بس پاسِ بلاؤ مجھ کو
 سنبھلے شوق پہ احسان رسولِ عربی

ایک شعر

غمِ حیات، نشاطِ حیات بن جائے
 نگاہِ لطف ہو اک بار اور کچھ بھی نہیں

شبِ قدر

نہیں جیسے تعریف کچھ رب کی ممکن
نہیں ویسے توصیف اس شب کی ممکن

شبِ قدر کی ہے عبادت بھی افضل
یہ شب ہے ہزاروں شبوں سے بھی اکمل

شبِ قدر تنزیلِ قرآن بھی ہے
شبِ قدر تقدیرِ انسان بھی ہے

شبِ قدر ہے برکتوں کی بشارت
شبِ قدر ہے رحمتوں کی ضمانت

شبِ قدر حق رحمتیں بانٹتا ہے
دو عالم کی سب نعمتیں بانٹتا ہے

شبِ قدر ہے رحمتِ مصطفیٰؐ سے
جو ہے مانگنا، مانگ لیجئے خدا سے



چلچلاتی دھوپ ہے، وہ پیڑ کا سایہ نہیں
ہم نے سمجھایا بہت تھا آپ نے سمجھا نہیں

مسئلہ کوئی بھی ہو، سنجیدگی درکار ہے
شدت جذبات میں بہنا کبھی اچھا نہیں

یہ دکن کی سرزمین کا سب سے روشن وصف ہے
جو بھی آتا ہے یہاں، وہ کوٹ کر جاتا نہیں

اپنی منزل آپ طے کرنی ہے سب کو دوستو
راہ رو چلتے ہیں، لیکن راستہ چلتا نہیں

میرے جلنے کا گلہ، کیوں آپ کرتے ہیں جناب
میں تو رُکنا چاہتا تھا، آپ نے روکا نہیں

اُن سے پچھڑے ایک مدت ہو گئی لیکن اے دوست
لاکھ چاہا میں نے دل سے نقش وہ مٹا نہیں

آئیئے کی بات پر، کیوں شوق حیرانی ہوئی
مان لو تم آئیئے کو، آئیئے جھوٹا نہیں



جُنوں ہے جوش ہے اک ولولہ ہے
یہاں ہر ایک پتھر بولتا ہے

مُرَوّت، سادگی، اخلاص و اُلفت
ہماری زندگی میں اور کیا ہے

مُسَلّ سنگ باری سہہ رہا ہے
مرا احساس شاید مر گیا ہے

خموشی سے سُلگنا، اُف نہ کرنا
یہی شاید محبت کا صلہ ہے

نیا دن اک نئی اُفتاد لائے
عجب یہ خواہشوں کا سلسلہ ہے

کہاں کی خیریت بس جی رہے ہیں
یہی تو شوق جینے کی ادا ہے



شکستِ شام کا منظر، بھری بہار میں تھا
میں اپنے گھر میں بھی رہ کر، کسی حصار میں تھا

میں اک غریب، وہ لاکھوں کے کاروبار میں تھا
میرا وجود مگر، پھر بھی اختیار میں تھا

کیا ہے اپنے ہی لوگوں نے پائمال مجھے
رنگہ ہو کس سے کہ، میں خود ہی اعتبار میں تھا

بہار کی جگہ کیسے خزاں چلی آئی
نمو کا حوصلہ جب شاخِ برگ و بار میں تھا

نکل سکا نہ وہ، ظلمات کی کشاکش سے
سحر کے واسطے وہ، کب سے انتظار میں تھا

جو اپنی ذات میں اک انجمن رہا اے شوق
پکھر گیا تو وہ یادوں کی رہ گزاری میں تھا



غمِ نشاطِ حسین اور حیاتِ پرور ہے
کسی کی یاد سے معمور دل کا یہ گھر ہے

نہ جانے موسمِ گل میں چلی ہے کسی ہوا
مرے ہی دوست کے ہاتھوں میں آج خنجر ہے

کسی کی ضد نے مچائی ہے ایسی بربادی
غمارتوں کی جگہ اب کھنڈر کا منظر ہے

وہ سنگ ہوتا اگر بات پھر بھی بن جاتی
امیرِ شہر کو دیکھو عجیب خود سر ہے

کسی نے چھو کے مجھے، اک نئی ادا دے دی
خیال و فکر

اے شوقِ امن کا سورج کہاں ہوا ہے گم
جدھر بھی دیکھئے بس ظلمتوں کی چادر ہے



سٹاٹا آواز بتا ہے
درد کا یوں اظہار ہوا ہے

یادوں نے جب لی ہے کروٹ
زخموں کا ہر بند کھلا ہے

اس نگرہی کا رہنے والا
قتلِ وفا پر خوش لگتا ہے

خط پڑھنے میں کانپ رہے ہو
ایسا اس میں کیا لکھا ہے

برسوں کی آفت کا رشتہ
اک لمحے میں ٹوٹ گیا ہے

میک میک سے لمحہ بیچارہ
اپنی منزل ڈھونڈ رہا ہے

شوقِ جنونِ عشقِ سلامت
زنجیروں کی کیا پروا ہے



وقت کا کیا ہے، تقاضا نہیں دیکھا جاتا
عشق میں ادنیٰ و اعلیٰ نہیں دیکھا جاتا

ایک ہی وقت میں جل جائے تو پچھا چھوٹے
زندگی بھر کا سلگنا نہیں دیکھا جاتا

یہ شب و روز، یہ موسم، یہ بدلتے منظر
رات دن کا یہ تماشا نہیں دیکھا جاتا

آئینہ دیکھ کے ، ہم خود کو نہ پہچان سکے
اپنے چہرے کا بگھرنا نہیں دیکھا جاتا

جانے حالات ہمیں اور دکھائیں کیا کیا
نسلِ نو کا یہ بہکنا نہیں دیکھا جاتا

شعبہ باز -

کیا کریں ہم

شوقِ اُس

اب کوئی نہ



ظلمتِ شب کو، کچھ اس ڈھب سے سنوارا جا
غم کے آنگن میں نیا چاند اُتارا جا

عجز و اخلاص کے جذبے کو اُبھارا جا
اپنے دشمن کو بھی اب دوست پکارا جا

زندگی ہے تو کٹھن پھر بھی نہ ہارا جا
رنگ اس زیست کا کچھ اور نکھارا جا

ہم نے گیسوئے غزل کو تو سنوارا ہے
گھر کے حالات کو کس طرح سنوارا جا

ملگجی شام، شبِ تار، دھندلکا ہے
چہرہ صبح کو اب کیسے نکھارا جا

شوق ہر موڑ پہ سناٹے کا عالم ہے
دشتِ تنہائی میں اب کس کو پکارا جا



پتھر ہوا کبھی، تو کبھی آئینہ ہوا
اب کیا کہوں وجود مرا کیا سے کیا ہوا

اچھا ہوا، بُرا ہوا جو بھی ہوا نصیب
ہر شخص جی رہا ہے یہی سوچتا ہوا

ہر روز قتل و خون، فسادات، لوٹ مار
تم ہی بتاؤ آج کے انساں کو کیا ہوا

اب شاخ گل، نہ بادِ صبا اور نہ گھٹائیں
ہر آدمی ہے یاس کا صحرا بنا ہوا

آدابِ زندگی ہے نہ تہذیبِ آرزو
یادوں نے ایک شہر بسایا تھا کیا ہوا

یادوں کی انجمن میں وہ ہل چل مچی ہے شوق
جیسے کتابِ دل ہو کوئی کھولتا ہوا



منتظر کھلا کھلا ہے، کمی تو نظر میں ہے
باہر تلاش کرتے ہو، وہ شے تو گھر میں ہے

تم مصالحت پسند نہیں ہو تو کیا ہو
ہر مصالحت پسند کسی کے اثر میں ہے

راہوں کے پیچ و خم سے بھلا کیا ڈرے گا وہ
منزل کی دُھن ہے اور مسافر سفر میں ہے

اب زندگی کے نام پہ اشعار کیا لکھیں
جلتی ہوئی حیات کا منظر نظر میں ہے

اونحائیوں کا خوف، محض خوف ہے جناب
پر واز کا شعور، ارادوں کے پر میں ہے

ہر کوئی اپنی ذات میں اک انجمن سہی
سوچو تو انجمن کی بقا کس امر میں ہے

اس دور انتشار میں اے شوقِ زندگی
ہر پل، ہر ایک لمحہ، اجل کے اثر میں ہے



آپ ہوتے جو مرے ساتھ یہ ہوتا کیسے
میری خوشیوں کا ہر اک خواب بھرتا کیسے

آبلہ پانی کا احساس جو ہوتا اُس کو
راہِ رُو وادیِ پر خار میں چلتا کیسے

جب تک اُن کی توجہ نہیں اس میں شامل
غم کی آندھی میں دیا پیار کا جلتا کیسے

تم تو کہتے تھے اُسے مجھ سے نہیں ہے الفت
بات ہوتی جو یہی، خط بٹھے لکھتا کیسے

ہر طرف آگ ہے دُنیا کا سکون جلتا ہے
آتشِ وقت سے میں خود کو بچاتا کیسے

عشق میں ہوتے نہ منصور اگر دیوانے
جذبہٴ شوق بھلا دار پہ چڑھتا کیسے



آج اُن گلابوں کو لالیاں ترستی ہیں
بھولے بھالے انساں کو، بستیاں ترستی ہیں

اب کے موسمِ گل میں، کیوں خزاں چلی آئی
پھول پتیوں کو آبِ تسلیاں ترستی ہیں

سُورجوں کی سازش نے ساگروں کو پی ڈالا
گوند گوند پانی کو مچھلیاں ترستی ہیں

جوشِ سرفروشی میں جان جو لٹاتے تھے
ایسے ہی جیالوں کو سُولیاں ترستی ہیں

یوں تو باغِ ہستی میں آشیاں نہیں ہیں کم
اک مرے نشیمن کو بجلیاں ترستی ہیں

عدل کے لئے جس نے جان کی نہ پروا کی
شوقِ ایسے مُنصف کو کرسیاں ترستی ہیں



بھلے ہی وادی ظلمت میں تو اُتار مجھے
 بھیردوں میں اُجالا، دے اختیار مجھے

مرے خُدا، مرے حالات سازگار بنا
 میں بے قرار ہوں، حاصل نہیں قرار مجھے

وہ ایک لمحہ، جو سرمایہ حیات بنے
 اُس ایک لمحے کا، اب تک ہے انتظار مجھے

ابھرنے کے آؤں گا، اک حرف آرزو بن کر
تو ایک بار اُسی پیار سے پکار مجھے

جسے بھی دیکھتے شہرت کے ہاتھ بکتا ہے
یہاں تو ہر کوئی لگتا ہے اشتہار مجھے

دیارِ دل میں ابھی تازگی ہے یادوں کی
نفسِ نفسِ نظر آتا ہے خوشگوار مجھے

گماں کے شہر میں اے شوقِ تم اکیلے ہو
یہی خیال ستاتا ہے بار بار مجھے



زندگی تیرا بول بالا ہے
تجھ سے ہر سمت ہی اُجالا ہے

تم کنویں کے قریب بیٹھے ہو
ہم نے ساگر کھنگال ڈالا ہے

کس طرف سے نجات پاؤں میں
ہر طرف مکرٹیوں کا جالا ہے

تجھ کو کس سمت کھو جئے جاؤں
کہیں مسجد کہیں رثوالا ہے

اپنی یادوں کی دیکھئے شبہم
زندگی آگ ہے جوالا ہے

اپنی نظروں کو دے کے آزادی
مستقل تم نے درد پالا ہے

زیت کو شوق تم نہ سمجھو گے
اس کا ہر بھید ہی رثالا ہے



ہر کسی کو اپنے اپنے دائرے اچھے لگے
سب کو اپنی زندگی کے فیصلے اچھے لگے

ساتھ ہو چاہے کسی کا حادثہ ہی حادثہ
کب کسی کو دوستو وہ حادثہ اچھے لگے

ایک ہی رستہ پہ چلنا، کب ہمیں اچھا لگا
زندگی کے رستے نئے وہ تجربے اچھے لگے

آپ جب تک ساتھ تھے، ہر گام تھی منزل مری
منزلوں سے بھی مجھے، وہ راستے اچھے لگے

دن کی تپتی دھوپ نے، جھلسا دیا تھا سب کو شوق
شام کے سائے میں چلتے قافلے اچھے لگے



ہم ایسے ہیں متوالے، ہر سانچے میں ڈھل جائیں
آجائیں اگر ضد پر، پتھر بھی پگھل جائیں

مخمور تیری آنکھیں، جادو سا جگاتی ہیں
سنبھلیں تو بہک جائیں، بہکیں تو سنبھل جائیں

ان آنکھوں میں ہم نے شمعیں جلا تو لی ہیں
بجھتی ہیں تو بجھ جائیں، جلتی ہیں تو جل جائیں

غیروں سے گلہ کیا، غیروں سے شکایت کیا
اپنوں کے یہاں پر جب، انداز بدل جائیں

اے شوقِ رفاقت کی، تہذیب کا ہے ماتم
جی کرتا ہے ایسے میں، صحرا کو نکل جائیں

ابوالکلام آزاد

ابوالکلام کہ بدرِ منیر آزادی
 طلوعِ صبحِ تمنا، نشاطِ دیدہ و دل
 خلوصِ پیار و وفا، آشنا طریقِ تمام
 وہ اپنی قامتِ زیبا میں جیسے حسنِ یقیں
 ابوالکلام خطابت کا بے بدل پیکر
 ابوالکلام سیاسی شعور کا منظر
 ابوالکلام فصاحت کا تیز رو دریا
 ابوالکلام ثقافت کی موجِ بے پایاں
 ابوالکلام مجسمِ شرافتِ مشرق
 وہ روشنی جسے صدیاں تلاش کرتی ہیں
 ہمارے عہد کا ورثہ بنی ہے، ہم میں ہے

حرفِ وفا

(شفیع الدین نیئر کی نذر)

بہت سیٹھی زباں
 طرزِ بیاں شیریں
 سخن روشن ستارا
 زندگی خوشبو
 مری لڑکی جسے پڑھ کر مہک جائے
 سبق کی طرح اس کی ہر کہانی راہ دکھلائے
 اور اس کی خوب صورت سی وہ نظیں
 جب بھی بچوں نے پڑھیں اک رنگِ زری پائی
 اُسے مکتب کہوں یا فکر کا اک مدرسہ لکھوں
 شفیع الدین نیئر میں تمہیں حرفِ وفا لکھوں



یہ کیسی آگ ہے، کیا دُھواں ہے
یہاں تو ہر طرف آہ و فغاں ہے

سُکلتے لفظ ہیں، اس داستاں کے
کہ ہر مفہوم اک آتش فشاں ہے

پڑی ہے اُن کو اپنی محفلوں کی
مرے پیشِ نظر سارا جہاں ہے

ہلی آن چاہی چیزیں زندگی میں
جسے ہم ڈھونڈتے ہیں وہ کہاں ہے

نہ چھوڑو ساتھ میرا لے غموں تم
اکہنی تو حوصلہ مبتہرا جواں ہے

ڈراؤ، امتحانوں سے نہ ہم کو
ہماری زندگی خود امتحان ہے

نگاہ برق سے، اے شوق ہریں
رہو ہیشیار کہ وہ بدگماں ہے



اس بھری بھیر میں، تنہائی بہت کھلتی ہے
اب تو آجا کہ مجھے، تیری کمی لگتی ہے

جب بھی بھولی ہوئی یادوں کے کنول کھلتے ہیں
دل تو روتا ہے، مگر لب پہ ہنسی رہتی ہے

یوں تو لگتی ہے اہل، دور کی اک بات مگر
گھر کی دہلیز پر، دستک کی طرح ٹہری ہے

جو اُجڑتی ہے تو بستی نہیں، بستی کی طرح
دل کی بستی بھی مرے دوست عجب بستی ہے

یار لوگوں میں وہ اخلاص و مروت ہی نہیں
ہم نے اے شوق مگر آس لگا رکھی ہے

احساس کی خوشبو

کھلے ہیں پھول کتنے ہی تمناؤں کی وادی میں
 تمہارے قرب کی خوشبو
 صبا کے دوش پر صحنِ چین میں جب مچلتی ہے
 میں آنکھیں بند کر لیتا ہوں
 کھو جاتا ہوں اگلی خوبصورت سی ملاقاتوں کے گلشن میں
 تو لگتا ہے :

یہ جُوبہی اور چمپا، موتیا، نرگس
 تمہاری طرح جینے کی یہاں پر نقل کرتے ہیں
 انھیں تم سے علاقہ کیا !؟
 مرے احساس کی خوشبو! تم اک ایسا گل تر ہو
 مہک سے جس کی روشن ہے مرے فن کا صنم خانہ

اتفاق

ایک دن
روٹھی خوشی
انجانی ڈگر پر
ایسے ملی
جیسے

گھپ اندھیرے میں
بھٹکے مسافر کو
راہ مل گئی ہو
چاندنی سی کھل گئی ہو

تیلی کی ضرورت

ماچس کی تیلی کو بچا کر رکھو
اور اُسے ڈبیا میں چھپا کر رکھو
بھروسہ کیا

بجلی کا —
جلنے کب یہ دھوکا دے جائے
اور

جانے کب ظلمت میں
یہ تیلی کام آئے

عکس

من کے درپن میں اجنبی صورت
 کبھی روتی تو کبھی ہنستی ہے
 اور کبھی

بوں دکھائی دیتی ہے
 جیسے خاموش کوئی صورت ہو
 سوچ میں گم
 اداس اور تنہا
 آنے والے دنوں کی رمز شناس
 میں نہیں ہوں
 وہ عکس ہے میرا

دیپ جلے

جگ مک جگ مک دیپ جلے
 بستی بستی آنکھ آنکھ
 آشائیں مسکائیں
 پائل بابے گھنگھر و جھمکے
 جشن چراغاں کا اک منظر
 روشن روشن بام اور در
 مہکی مہکی شام سہانی
 پریم سندیسہ لائے
 نگر نگر اُلفت کی کہانی
 کرن کرن آیتائے
 جوت جلے ، جیون مسکائے

نئے سال کی آمد پر

پھر نئے سال کی آمد ہے نیا جام چلے
 پھر برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
 میرے کمرے میں کیلنڈر جو نئے سال کا آویزاں ہے
 نظر آتا ہے گزشتہ کی طرح
 وہی اُلجھے ہوئے حالات وہی مہنگائی
 ہے وہی تشنہ لبی اور وہی تنہائی
 نہ محبت، نہ مروت، نہ وفا کے آثار
 آدمیت کے تقاضے نہ صداقت کی بھین
 جس طرح آتش امروز میں جلتی تصویر
 جیسے کجلائی ہوئی دستِ حنائی کی لکیر

میرے کمرے میں کیلنڈر جو نئے سال کا آویزاں ہے
 نظر آتا ہے گزشتہ کی طرح
 ایک منظر جو سہانا ہے وہ پھیلے تو سہی
 راج خوشیوں کا ہو چہروں پہ مسرت چمکے
 گھر کے آنگن میں محبت کا کوئی گل مہکے
 اور شاعر کا قلم ایک قصیدہ لکھے

جس کا ہر لفظ

ٹھیک ہے ہم

باب در باب

میرے کمرے میں

خود تماشا ہے

نہرو

نہرو نئی سحر کے اُجالے کا نام ہے
 ظلمت میں روشنی کے قبالے کا نام ہے
 بے باک و درد مند جیالے کا نام ہے
 اخلاص اور وفا کے شولے کا نام ہے

نہرو، جدید ہند کا معمارِ اولین
 وہ روشنی نواز چمکتی ہوئی جبین
 وہ شانتی کا دُوت ہے اور امن کا امین
 اور شخصیت میں سب سے دلاویز دل نشین

نہرو، حیاتِ نو کی ایک ایسی کتاب ہے
 جس کے ورق ورق پہ شگفتہ گلاب ہے
 اُس کا سبھی پہ لطف و کرم بے حساب ہے
 آزادی وطن کا وہ نہرین باب ہے

عظیم رہنما راچپوگاندھی کی ناگہانی موت پر

عجب یہ سانحہ ہوا
یہ دردناک واقعہ
کیا گیا یہ کیا سلوک
عظیم رہنما کے ساتھ
یہ دشمنوں نے کیا کیا؟
جو روشنی تھا، پیار تھا
دلوں کا جو قرار تھا
جو آدمی تھا با کمال
جو رہنما تھا بے مثال
جو ایکتا کی آن تھا
جو دیش کی بھی جان تھا
جو امن کا تھا پاسباں
محببتوں کا آسماں
اُسے ہی کیوں مٹا دیا؟

عجیب دل کا حال ہے، ملال ہی ملال ہے
لبوں پہ یہ سوال ہے

یہ کیوں ہوا، یہ کیا ہوا / یہ دشمنوں نے کیا کیا؟

پانی کے لئے ایک نظم

پیاسی دھرتی سارا پانی چوس چکی ہے

اور پیاسی ہیں

بنجر آنکھیں، سوکھے چہرے

کارن کیا ہے؟

اے دھرتی پر بسنے والو

اپنے اپنے من کو ٹٹولو

جیون کی سوکھی بگیا میں

دش مت گھولو، پیٹے بولو

بستی بستی، شہروں شہروں

کیسی ہا ہا کار چھی ہے
 اس دھرتی پر بسنے والے
 گورے ، کالے ، بھوکے ، پیاسے
 محنت کش ، مزدور کسان
 بچے ، بوڑھے ، بالبو لوگ
 سبھی پیاسے ہیں
 آئے جل داتا ، آئے جل دانی
 پانی ، پانی ، پانی ، پانی



زندگی کے دن سُہانے کیا ہوئے
کس لیے وہ غم سے وابستہ ہوئے

بوریا، بستر اٹھاؤ چل پڑو
لوگ کہتے ہی یہاں رسوا ہوئے

زندگی تبدیلیوں کا نام ہے
کل جو پتھر تھے وہ آئینہ ہوئے

یک بیک یہ راستوں پر کیا ہوا
بند دروازے، دریچے وا ہوئے

آپ کے ہوتے ہوئے بھی جانے کیوں
ہم، ہجوم یاس میں تنہا ہوئے

آنسوؤں کے حوصلوں کو کیا ہوا
راز میرے سب کے سب افشا ہوئے

آذھیوں نے وہ ستم ڈھائے ہیں شوق
ہم تو بس اک برگِ آوارہ ہوئے



پیاں بن کر جو مرے لب سے اُلجھتا ہوگا
وہ سمندر مری تقدیر میں لکھا ہوگا

دیکھنے ہم بھی گئے تھے کہ حقیقت کیا ہے
آپ نے ٹھیک کہا تھا کہ تماشا ہوگا

اک ترانہ ہی رہ جائے گا ہونٹوں پہ مرے
دشتِ غربت میں کوئی جب نہ سہارا ہوگا

اس کی محفل میں چلا ہے، مجھے لے کر پھر سے
دل ہے نادان بہت، مفت میں رسوا ہوگا

ہر نیا دن، نئی اُفتاد کی لاتا ہے خبر
کس نے جانا تھا کہ یوں خونِ تمنا ہوگا

میرے اس شہر کی گلیوں سے نہیں تم واقف
میرے ہمراہ چلو گے تو یہ اچھا ہوگا

شوق اس شخص پہ الزام نہ رکھے کوئی
بات کچھ اور تھی، کچھ آپ نے سمجھا ہوگا

شہرِ دکن

باتکین ہے آن ہے شہرِ دکن
شاعری کی شان ہے شہرِ دکن
باتمی اخلاص کا مظہر ہے یہ
پیار کا عنوان ہے شہرِ دکن

شہرِ اپنا قلبی قطب کا بہمن
اس کی نمٹی میں ایک سوندھا پن
ہر قدم زندگی، خلوص، وفا
کس قدر دلنشیں ہے یہ آنگن

چارمینار جس کی دولت ہے
جامعہ عثمانیہ سے شہرت ہے
گو لکندہ کی عظمتیں ہیں جواں
سارے بھارت میں اس کی عزت ہے



ظلمتوں میں پیار کی شمعیں جلانا چاہیے
 وہ جو روٹھیں ہیں انہیں پھر سے منانا چاہیے
 توڑنے کو دل کسی کا، ایک پل درکار ہے
 جوڑنے کے واسطے، لوگو! زمانہ چاہیے



حالات کے پتھراؤ میں جینے کی ادا دو
 ماحول کو تم اپنے تبسم کی ضیاء دو
 یہ دھڑکے جھکٹے، یہ تعصب، یہ تصادم
 انسان کو انسان سے اک بار ملا دو



خورشید کی مانند پگھلتے تو رہے ہیں
 ہر شب کو قبر بن کے نکلتے تو رہے ہیں
 تاریخ میں یہ تذکرہ آئے گا یقیناً
 حالات کو ہم لوگ بدلتے تو رہے ہیں



میں اپنے زخموں کا سارا حساب لایا ہوں
 ورق ورق نہیں پوری کتاب لایا ہوں
 ترے ستم کی کہانی ہے جس میں پوشیدہ
 کتابِ زیست کا ایک ایسا باب لایا ہوں



دل کسی کا بھی دکھانا کیا یہ اچھی بات ہے
 دوسروں پر مسکرانا کیا یہ اچھی بات ہے
 اپنے گھر میں روشنی کرنے کی خاطر دوستو
 گھر پڑوسی کا جلانا کیا یہ اچھی بات ہے



زندگی پیار سے عبارت ہے
 خدمتِ خلق بھی عبارت ہے
 عجز و اخلاص اور وفا، ایثار
 آج کے دور کی ضرورت ہے



بہارِ وقت سے غافل جو رہتا ہوں گے
خزاں کے رنگ میں حالاتِ رونا ہوں گے
نہ الجھنیں ہی رہیں گی نہ مشکلیں ہوں گی
خلوصِ دل سے فرائض اگر ادا ہوں گے



شعر و سخن کی شمعیں جلاتے رہیں گے ہم
ذہنوں کی ظلمتوں کو مٹاتے رہیں گے ہم
لکھے گا وقت کا وہ مورخ جسے اے شوق
طوفانِ ایک ایسا اٹھاتے رہیں گے ہم

قطرہ

بہاریں گنگناتی ہیں، نظارے بات کرتے ہیں
 کہ جیسے دُور رہ کر بھی، کنارے بات کرتے ہیں
 ہجومِ شوق کا ہوتا ہے جب بھی سامنا ہم سے
 زباں خاموش رہتی ہے اشارے بات کرتے ہیں

دو شعر

چاندنی رات میں گاتا موسم
 پیار کے گیت سناتا موسم
 نغمہ و شعر کی انگڑائی ہے
 حشر سا حشر اٹھاتا موسم



عجیب یاس کا منظر ہے کیا کیا جائے
 غموں کا ایک سمندر ہے کیا کیا جائے
 دکھائیں غم کی حقیقت بتائیے کس کو
 یہاں تو ہر کوئی پتھر ہے کیا کیا جائے



کیوں زندگی ہے پیاس کا صحرا نہ پوچھئے
 تشنہ لبی کا ہم سے مداوا نہ پوچھئے
 ہر سمت قتل و خون ہے اہنسا کے دیش تیں
 ہونے لگا ہے کیوں یہ تماشا نہ پوچھئے

فسادات سے متاثر ہو کر

کیوں مسخ ہوئی صورت، کیا یہ تماشا ہے
 ہر سو ہے آج دہشت، کیا یہ تماشا ہے
 جنت نشاں ہم نے اس دیش کو تھا، مانا
 اب لئے لگی جنت، کیا یہ تماشا ہے



سورج سے ملی ظلمت، کیا یہ تماشا ہے
 مسمار ہوئی عظمت، کیا یہ تماشا ہے
 ان بستیوں میں اب کیا انسان نہیں بستے
 ہونے لگی ہے وحشت، کیا یہ تماشا ہے

مروّتوں کے شہر میں

مروّتوں کے شہر میں، یہ کیسا سانحہ ہوا
دھواں دھواں ہے آرزو

قلی قطب کے شہر میں

یہ کیا ہوا، یہ کیوں ہوا؟

نظر نظر، کرن کرن، حیات تھی

یہ لوٹ مار، قتل و خون کیوں ہوا

کہاں گئی وہ روشنی؟

محبتیں، رفاقتیں کہاں گئیں

اے دوستو، اے بھائیو!

مروّتوں کے شہر کو کرو نہ یوں تباہ تم

خلوص پیار سے رہو

وفا کے ساتھ ہی بہو

وہ روشنی

جو پیار تھی، نشاط تھی، حیات تھی

اُسے اگر دلا سکو تو زندگی ہو زندگی

گلی گلی، نگر نگر ہو پیار کی ہی چاندنی



بستی بستی ایک ہی منظر
 کوچہ کوچہ اُگے ہیں پتھر
 پھول ترستے ہیں ہاتھوں کو
 ہاتھوں میں کب تک یہ صخب



آپس کے اُس خلوص و محبت کو کیا ہوا
 حیران ہوں کہ شہر مروت کو کیا ہوا
 وحشت برس رہی ہے ہر اک چہرے پہ لے شوق
 لوگوں کی مسکراتے کی عادت کو کیا ہوا

خون کی رعنائی

خون ہندو سیکھ نہ مُسلم اور نہ وہ عیسائی ہے
 یا نکین ہے ایک اس کا، ایک ہی رعنائی ہے
 زندگی کی ہے ضمانت، بھٹولتے ہو اکیوں اُسے
 ان لوگوں میں یہ حقیقت، بس یہی سچائی ہے



بارود کی دُنیا

مہکتی فضاؤں میں بارود کی بو
 دھواں ہی دھواں ہے، یہاں آج ہر سو
 لہو بہہ رہا ہے کہ جیسے ہو پانی
 جدھر دیکھئے، آج ہے عالم ہو

اپنے شہر والوں کے نام

بستی ہوتی باتوں کو بھول جاؤ دوستو
جو کچھ ہوا ہے اس کو نہ دہراؤ دوستو
ہم ایک تھے، ہم ایک ہیں، ہم ایک رہیں گے
سب مل کے آج گیت یہی گاؤ دوستو

عہد کریں

نفرت کو ہم دل سے مٹائیں
پیار کی ہر سو شمعیں جلا لیں
بستی بستی، نگری نگری
امن کے پرچم کو لہرایں



غمِ حیات کا میں جشن یوں مناتا ہوں
 ہر ایک زخمِ تمتّا پہ مُسکراتا ہوں
 سکونِ دل کی مجھے اب نہیں کوئی حاجت
 میں اضطرابِ مُسلسل سے چین پاتا ہوں



جسم کے خون کو پانی لکھو
 اس حقیقت کو کہانی لکھو
 ہے اگرچہ کہ نیا دور مگر
 تم وہی بات پُرانی لکھو!

نکل آئے سویرا

جہاں کھلتی تھیں کلیاں جہاں تھیں رنگ رلیاں
 جہاں مستی میں ڈوبی رہا کرتی تھیں گلیاں
 وہاں اب خاک کیوں ہے
 یہ سینہ چاک کیوں ہے

جہاں سب دل ملے تھے وفا کے سلسلے تھے
 تھی اک شاخِ محبت جہاں پر گل کھلے تھے
 وہاں وہم و گماں ہے
 جدھر دیکھو دھواں ہے

جہاں تھی شادمانی جہاں تھی گلِ فشانِ
 جہاں سنتے تھے باہم محبت کی کہانی
 وہاں نفرت پٹی ہے
 کہ ہر سُو کھلبلی ہے

بھلا دیں رنجشوں کو مٹا دیں سازشوں کو
 اُبھاریں بل کے ہم تم وفا کی خواہشوں کو
 مٹے دل کا اندھیرا
 نکل آئے سویرا!

آؤ عہد کریں

آؤ جشن آزادی پر یہ عہد کریں
 ایکتا کے گلاب مہکائیں
 ہر گلی جشن ہو، چراغاں ہو
 پیار کے گیت، امن کی باتیں
 آگہی کے نئے وسیلے بنیں
 اور ہم لوگ اس طرح سے جیتیں
 شہر، دیہات، گاؤں، بستی میں
 زندگی کا شعور رقصاں ہو
 آدمی آدمی کو پہچانے
 آدمیت کی قدر ہو ہر سو
 جہد و محنت پہ اعتماد بڑھے
 کوئی بھوکا رہے نہ اور ننگا
 کوئی جھگڑا رہے نہ اور وزنگا
 ہر نفس شاد کام فرماں ہو
 شوق راہِ حیات آساں ہو

ہمتھیار سیاست کے بنے دین و عدم بھی
نفرت میں جل رہے ہیں یہاں دیر و حرم بھی

تحقیر کی نگاہ سے، دیکھو نہ تم مجھے
پگھلیں گے میری آہ سے، پتھر کے صنم بھی

مجھ کو نہ جگاؤ مجھے رہنے دو یونہی تم
لوٹے نہ کہیں ڈر ہے، یہ خوابوں کا بھرم بھی

یادوں کے سہارے پہ جئے گا کوئی کب تک
اس انتظارِ شوق میں مرجائیں گے ہم بھی

یہ وقت ہے اور اُس کی عنایت ہے سبھی پر
کیا ذکرِ شوق آپ کا رسوا ہوئے ہم بھی

زندگی

زندگی خواب اک سہانا ہے
زندگی درد کا فسانہ ہے

زندگی رنج و غم کا لمحہ بھی
زندگی ہے نشاط و نغمہ بھی

زندگی شعر و نغمگی کا خمسارہ
زندگی کیف و سرخوشی کی بہار

زندگی نقشِ نامرادی بھی
زندگی رقص بھی ہے شادی بھی

زندگی پھول ہے کبھی ہے خار
تختِ شاہی ہے اور کبھی ہے دار

سات رنگوں کا یہ نگینہ ہے
زندگی بے بہا خزینہ ہے

قدر جو رنج و غم کی جانے گا
شوق وہ زندگی کو مانے گا



سمجھنا دُور سے اس کا محال ہے کتنا
بلے تو عقدہ کھلا خوش خصال ہے کتنا

ذرا سی ٹھیس سے ہے، چور چور شبیشہ دل
اس ایک بات کا، ہم کو ملال ہے کتنا

ہجوم میں بھی ٹھرتی ہے، بس اُسی پہ نظر
وہ سنگدل ہی سہی خوش جمال ہے کتنا

ہر احتجاج پہ وہ قہقہہ لگاتا ہے
 امیرِ شہر کو دیکھو! بحال ہے کتنا

عجیب لوگ ہیں انسانیت کی قدر نہیں
 انا پسندی کا اُن کو خیال ہے کتنا

میں سانس سانس میں ہر لمحہ مُسکراتا ہوں
 میں جانتا ہوں کہ میرا کمال ہے کتنا

یہ نکتہ تجھ کو سمجھ میں نہ آئے گاے شوق
 ترے غروج میں پنہاں زوال ہے کتنا



ایسے بھی زندگانی میں آتے ہیں کچھ مقام
دریا کے پاس رہ کے بھی رہتے ہیں تشنہ کام

وہ کیفیت کہ جس کا کوئی نام ہی نہیں
چپکے سے دے رہی ہے میری زندگی کو شام

تاریک راستے ہیں، سمجھے ہیں چراغ بھی
اب اپنی ٹھوکروں ہی سے لینا ہے مجھ کو کام

راہوں کا سلسلہ ہے کہ ٹوٹا نہیں کبھی
منزل کی جستجو ہی میں چلتے ہیں صبح و شام

اپنے عداو کو ہم نے کیا ہے معاف یوں
اُس کی عداوتوں کا لیا ہم نے انتقام

کل تک حیات ہم سے بھی روٹھی ہوئی تھی شوق
وہ آگئے تو اُس کو خوشی مل گئی دوام



آرزو ہے وہی جو جل کے دھواں ہوتی ہے
درحقیقت یہی آفت کی زباں ہوتی ہے

غم کا طوفان ہو، یا ہو خوشی کا وہ ساحل
کشتی عمر بہر حال رواں ہوتی ہے

جس قدر رہتے ہیں وہ خود کو چھپائے ہم سے
آرزو اور جواں اور جواں ہوتی ہے

رازِ دل چھپ نہ سکا ہو ہی گیا سب پہ عیاں
سچ کہا لوگوں نے اشکوں کی زباں ہوتی ہے

زندگی بوجھ ہے اور اُس پہ غموں کی باتیں
اس طرح زندگی کچھ اور گراں ہوتی ہے

سادگی، صبر و رضا، مہر و وفا اور شوخی
شوق یہ بات کہو سب میں کہاں ہوتی ہے



جب بھی ماضی کی وہ تصویر دکھا دیتا ہے
میرے سوئے ہوئے جذبات جگا دیتا ہے

آپ کے ساتھ گزارا ہوا اک اک لمحہ
بھولنا چاہوں تو، یادوں کو ہوا دیتا ہے

ایک وہ ہے کہ جو، مجھ ہی پہ ستم توڑے ہے
اک مراد دل ہے جو اس کو ہی دُعا دیتا ہے

قتلِ انساں سے جو باز آؤ تو مہکے گلشن
پرچیم امن ہی نفرت کو مٹا دیتا ہے

اس کی رحمت کا میں اظہار کر دوں بھی کیسے
وہ طلب سے مری کچھ اور سوا دیتا ہے

دینے والا تو حقیقت میں خدا ہے اے شوق
کوئی انسان کسی اور کو کیا دیتا ہے



خوشی کی آس لیے غم میں جل رہا ہوں میں
جلا کے شمعِ تمنا پگھل رہا ہوں میں

تھا ایک عرصے سے خوابیدہ آرژو کی طرح
ابھی تو جاگا ہوں کروٹ بدل رہا ہوں میں

نہ تیج و خم پہ نظر ہے، نہ خوفِ رہزن کا
سفرِ عزیز ہے چلنا ہے، چل رہا ہوں میں

سحر کے واسطے تیرہ شبی کے دامن پر
لہو نگاہ سے دل کا اگل رہا ہوں میں

حیاتِ شوق کے سانچے میں ڈھل رہی ہے اب
وہ دے رہے ہیں سہارا سنبھل رہا ہوں میں

کوئی قصہ نہیں حقیقت ہے
زندگی دھوپ ہے تمازت ہے

اس قدر الجھنوں میں گھر کر بھی
جی رہا ہوں یہ مجھ کو حیرت ہے

مجھ کو خوشیوں سے لینا دینا کیا
آپ کا غم ہی میری دولت ہے

گرد ہی گرد ہے یہاں ہر سو
آئینوں کی کسے ضرورت ہے

شوق دیوانگی میں کٹی ہے
زندگی ورنہ اک قیامت ہے



غرورِ پیکرِ آتش کا سر جھکا دوں گا
ہر ایک سانس کو جب داؤ پر لگا دوں گا

ستم کی رات کٹے، غنچہ سحر مہکے
اے زندگی! میں تجھے اور کیا دُعا دوں گا

بھٹک رہا ہوں میں، منزل کی جستجو میں ابھی
تو مجھ کو یاد بھی آئے تو میں بھلا دوں گا

مرے خلوص کا رتبہ بڑا ہے دولت سے
اگر دے وقت اجازت تو میں دکھا دوں گا

وہ ایک لمحہ جسے حُسن آریزو کہئے
اُس ایک لمحے کو حرفِ غزل بنا دوں گا

سنبھالو شوق کو اپنے، ذرا تو سہا لو
غمِ حیات کا قصہ تم بھی سنا دوں گا

یہ بہنوں عشق میرا لبِ بام آنہ جائے
مرے لب پہ پھر اچانک ترا نام آنہ جائے

ابھی حوصلے جواں ہیں، ابھی منزلیں رواں ہیں
کہ جنوں کی رہنمائی، کہیں شام آنہ جائے

وہ فسانہ کہہ رہے ہیں، یہی سوچ کر میں چپ ہوں
کہیں کانپتے لبوں پر مرا نام آنہ جائے

ابھی بال و پر بنے ہیں، ابھی شوق جستجو ہے
کہیں طائرِ نفس یہ، تہہ دام آنہ جائے

یار بن جائیں جو اغیار تو پھر کیا ہوگا
پھول بن جائیں اگر خار تو پھر کیا ہوگا

ہر نیا دن، نئی اُلجھن کو لیے آتا ہے
غم کی ہوتی رہی یلغار تو پھر کیا ہوگا

تم سے قائم ہے میری زیست میں خوشبوئے وفا
تم ہوئے مجھ سے جو بزار تو پھر کیا ہوگا

زندگی عارضی ہے سوچ سمجھ کہ چلے
بجھ گیا شعلہ رُخسار تو پھر کیا ہوگا

ہم کہ مشاقِ نظارہ ہیں مگر سوچتے ہیں
عُسن بن جائے جو بازار تو پھر کیا ہوگا

چاہتیں مصر کا بازار ہوئیں شوق یہاں
مل نہ پائے جو خریدار تو پھر کیا ہوگا



جب بھی تیرا خیال آیا ہے
کیف سا میرے دل پہ چھایا ہے
کل تھا دل کے قریب غم اُن کا
آج اُن کو قریب پایا ہے



جاگتی آنکھوں سے سینے دیکھتا ہوں
نغمگی اشعار میں یوں گھولتا ہوں
پیار اور اخلاص، ہمدردی، مروت
زندگی کا ایک ایسا سلسلہ ہوں

زندگی دیکھئے، ہر رنگ میں ڈھل جاتی ہے
گرمی وقت سے، ہر لحظہ بگھل جاتی ہے

تجملہ و شعر کا احساس ہی دیتا ہے سکوں
زندگی بس اسی سائے میں سنبھل جاتی ہے

وضع داری کا تقاضا ہے کہ محتاط رہیں
بے ارادہ ہی کوئی بات نکل جاتی ہے

غم زدو! جاگتے رہتا ہے سحر ہونے تک
صبح دم سُنتے ہیں تقدیر بدل جاتی ہے

اس قدر بھوک کی ماری ہوئی ہے رات کہ وہ
جب بھی آتی ہے اُجالوں کو نگل جاتی ہے

چھیڑ خُوباں سے تو ہوتی ہی رہی ہے اکثر
حُسن کو دیکھ کر فطرت بھی مچل جاتی ہے

شوقِ ابرِ پند و نصیحت کے زمانے نہ رہے
بات اچھی ہی سہی، اپنوں کو کھل جاتی ہے



زندگی شعلہ دھواں
موج یا ریگِ رواں

درد ، اُلجھن ، اضطراب
ہر طرف آہ و فغان

عاشقی کے مرحلے
داستاں در داستاں

یاد اُن کی آج بھی
جیسے دل میں ہے جواں

لوگ آئے اور گئے
کارواں در کارواں

شوقِ فکر و فن کے نام
پھوٹے کچھ تو نشاں

عیدِ رمضان



نور و نکتہ کا جیسے ہو سیرِ رواں
 جیسے اخلاص و اُلفت کا اک کارِ رواں
 درسِ انسانیت جس سے ملتا ہے شوق
 عیدِ رمضان ہے، امن و امان کا نشان



لبِ شیریں پر مسرت کے ترانے آئے
 عیدِ آئی ترے ملتے کے زمانے آئے
 دوست تو دوست ہیں، دشمن بھی گلے ملنے لگے
 واہ کیا خوب، انوکھے یہ بہانے آئے

نوید مسرت

نوید مسرت ، نشاطِ تمتا !
 بہارِ آشنا ، ساعتِ عیدِ رمضان
 عبادت ، ریاضت ، نماز اور روزے
 مسلمان کے حق میں ہیں جنت کے سامان

○
 عید مفہوم شادمانی ہے
 عید مہکی ہوئی کہانی ہے
 شوقِ رمضان کی عید کا حاصل
 میرے مولا کی مہربانی ہے

○
 عید کا جب خیال آتا ہے
 دل میں اک چاند جگمگاتا ہے
 آج ہر لمحہ زندگانی کا
 مرثدہ جاں فزا سناتا ہے

روشن نوید آئی ہے

عظمتوں کا مہینہ
 یہ رمضان ہے
 رحمتیں، برکتیں
 جس کی ہیں بے حساب
 روزداروں کے حق میں
 یہ ہے اک صلہ
 یعنی عید الفطر —
 نور و نکہت میں ڈوبی ہوئی

ہر کرن —————
 خوشبوؤں سے معطر ہے
 جیسے چمن —————
 پیار و اُلفت کے نغمے
 سناتے ہوئے
 بچھڑے لوگوں کو
 باہم ملاتے ہوئے
 تفرقہ کو مٹانے
 یہ عید آئی ہے
 بن کے ظلمت میں
 روشن نوید آئی ہے

قربانی

جہاں دیتا ہے کوئی قربانی
وہاں ہوتا ہے فضلِ ربّانی

یہ ہے اک سنتِ خلیل و سید
امتحانِ حیاتِ ایمانی

لے چلے ذبح کرنے بیٹے کو
آشنائے مقامِ انسانی

کیجئے خوشنودیٰ خدا حاصل
دیجئے راہِ خدا میں قربانی

شوقِ غفلت میں تم نہ کھو جانا
ہو نہ انجہام میں پشیمانی

فلسفہ شہادت

حسینؑ ابن علی کا
 جذبہ شوق شہادت
 کربلا کا معرکہ تھا بے بہا
 دین کی خاطر
 صداقت اور حق کے واسطے
 گٹا دینا باہتر کو
 کوئی آساں نہیں تھا
 حسینی فلسفہ

اور
 فکر کا برگِ ثمر ہے
 مقابلِ ظلم کے دیکھو
 صداقت کے لیے
 فتح و ظفر ہے
 حسینی صبر
 دنیا میں امر ہے

وقت

وقت اپنا بھی ہے پرایا بھی
یہ کڑی دھوپ بھی ہے سایا بھی

گاہ روتوں کو وہ ہنساتا ہے
گاہ ہنستوں کو وہ رلاتا ہے

چھین کر اینوں کو وہ جاتا ہے
کبھی بچھڑوں کو وہ ملاتا ہے

غم کے نغمے کبھی سناتا ہے
کبھی خوشیوں کے گیت گاتا ہے

ہے وہ برکھا بہار کی صورت
اور کبھی ہے خزاں زدہ صورت

روشنی ہے کبھی ، کبھی ظلمت
ہے محبت بھی وہ کبھی نفرت

حادثے اس کے ساتھ رہتے ہیں
چرخ تک اس کے ہاتھ رہتے ہیں

راز یہ جاننا نہیں آساں
اس کو پہچاننا نہیں آساں

ہے وہ آشا بھی اور نراشا بھی
سو تماشوں کا اک تماشا بھی

وقت پر جو نگاہ کرتا ہے
وقت اُس سے نباہ کرتا ہے





غمِ حیات نے جب بھی مجھے پکارا ہے
تو اُخلوص مرا، آخری سہارا ہے

اندھیری رات میں، اُمید کی کرن چھوٹی
بلندیوں پہ مری بخت کا ستارا ہے

یہ آندھیاں، یہ تلاطم، یہ جوشِ طوفاں کا
کہیں قریب ہی شاید کوئی کنارہ ہے

نظرِ نظر میں مہکنے لگی ہے خوشبو سی
کہ جیسے موسمِ گل کا یہی اشارہ ہے

کبھی میں اُس کو بھلا کیسے بھول پاؤں گا
نظر نے جس کی مرے شوق کو ابھارا ہے



کہوں کیا کون پیارا ہو گیا ہے
مجھے ہر غم گوارا ہو گیا ہے

سمجھتا ہوں میں پھولوں کی ہنسی کو
بہاروں کا اشارا ہو گیا ہے

جو پلکوں پر اتر آیا شبِ غم
وہی آنسو ستارا ہو گیا ہے

خدارا اب تو رو کو تم غموں کو
ہمارا دل تمھارا ہو گیا ہے

طلب میں ڈوب کر بھی ہم نہ ڈوبے
تلاطم بھی کنارا ہو گیا ہے

تبسم ہے لبوں پر شوقِ اُن کے
محبت کا سہارا ہو گیا ہے

آرزوئے بہار

عشق تم سے ہے پیار تم سے ہے
زندگی میں بہار تم سے ہے

تم ہی تم ہو مرے خیالوں میں
ذہن بھی لالہ زار تم سے ہے

گھر کا آنگن ہو، یا کہ ہو صحرا
ہر طرف اک نکھار تم سے ہے

تم سے ہٹ کر نہیں ہے کچھ بھی یہاں
زیست کا اعتبار تم سے ہے

چاندنی ہو کہ ہو شبِ فرقت
ہر گھڑی سازگار تم سے ہے

شوق کی ہو غزل یا گیت کوئی
زندگی کا خمہار تم سے ہے



رُست بدلی ہے، جیون ڈولے
کا جل بھی نینوں کا بولے

گھر گھر آئی کاری بدریا
ناؤ چلاؤ، ہولے ہولے

جواں بدن کی بھینی خوشبو
فضا میں پھولوں کا رس کھولے

گلشن گلشن، پنکھ پکھیرؤ
اپنی اپنی بولی بولے

گم صم، گم صم بیٹھی سجنی
اپنے امن کا بھید نہ کھولے

شوق کی غزلوں، گیت کو سن کر
سجنی کا منوا بھی ڈولے



شمع، اخلاص و محبت کی جلائے رکھنا
 اور احساس کے جذبے کو جگائے رکھنا
 شوق صحرا میں بھی مہکاؤ تمنا کے گلاب
 اپنی تہذیب کے ورثہ کو بچائے رکھنا



اپنے دشمن کو بھی اب دوست بنانا ہوگا
 رنگ زاروں میں بھی اب پھول کھلانا ہوگا
 شوق اپنے تو بہر حال رہیں گے اپنے
 آج غیروں کو بھی سینے سے لگانا ہوگا



آج ہر اک دل میں اپنا گھر بنانا چاہیئے
نفرتوں کو اپنے سینوں سے مٹانا چاہیئے

وہ جو ہونا ہے وہ ہو کہ ہمارے گدا دوستو
لاکھ غم ہوں دل میں پھر بھی مُسکنا چاہیئے

زندگی کے واسطے ہم نے کتنے سو سو جتن
موت پھر بھی موت ہے اس کو بہانا چاہیئے

مسئلہ کوئی بھی ہو سنجیدگی سے کام لو
شدت جذبات میں ہرگز نہ آنا چاہیئے

ہے وطن میرے لئے اک آبروئے زندگی
اس کی خاطر جان کی یازی لگانا چاہیئے

دوسروں کو آزمانے سے یہی بہتر ہے شوق
آج اپنے آپ ہی کو آزمانا چاہیئے

فیض احمد فیض کی تذر...

یہ سعادت کم ہی لوگوں کو ملی
فیض سے اُردو نے پایا مرتبہ
کامیابی مرحلہ در مرحلہ
فیض تھے اُردو ادب کا حوصلہ



آدب نواز شخصیت عابد علی خاں کی یاد میں

ادب کے پاسبان تھے
وہ ایکسا کی آن تھے
رہے زمین کی طرح
مگر وہ آسمان تھے



صحافت اور سیاست کے
تھے عابد ہی حیس پیکر
وہ حق گوئی کے شیدائی
وہ بے باکی کے تھے منظر



آج ہیں حرفِ حقیقت، کل گماں ہو جائیں
زندگی کے درد کی ہم، داستاں ہو جائیں۔

گو بظاہر ہیں اکیلے، ایک دن وہ آئے
بڑھتے بڑھتے دیکھنا ہم، کارواں ہو جائیں۔

وہ جو پلکوں پر چمکتے ہیں ستاروں کی طرح
کیا پتہ تھا ایک دن، وہ بھی رواں ہو جائیں۔

ہم جو ہیں خاموش، اس کا دوسرا مطلب یہ
ایک دن وہ آئے گا، شعلہ بیاں ہو جائیں۔

ہم زمینِ دل کے مالک ہیں، تبھی تو دوسرے
عین ممکن ہے کہ کل ہم، آسماں ہو جائیں۔

اپنے ماضی کے جھروکے بند کرلو، ورنہ شوق
وہ جو لمحے قیمتی ہیں، راٹگاں ہو جائیں۔



وقت شعلہ ہے وقت ہے شبینم
 وقت میں کائنات بھی ہے ضم
 وقت کا تم مزاج پہنچا نو!
 وقت ہے زخم، وقت ہے مرہم



کرتا نہیں ہے وقت، کسی کا بھی انتظار
 غافل رہیں گے آپ تو ہوگا ہی انتشار
 چلتے رہے گا، وقت کے ہمراہ جو بشر
 دامن میں اس کے خود ہی سمٹ آئے گی بہار

دھرتی کو گلزار بناؤ

من میں ایسی جوت جگاؤ آؤ سب مل کر یہ گاؤ
 علم و عمل کے ہتھیاروں سے
 غربت کو تم دور بھگاؤ
 من میں ایسی جوت جگاؤ آؤ سب مل کر یہ گاؤ
 عزم کے آگے مشکل کیسی
 عزم کا پرچم تم لہراؤ
 من میں ایسی جوت جگاؤ آؤ سب مل کر یہ گاؤ
 نفرت کی جلتی دھرتی پر
 اُلفت کے تم پھول کھلاؤ
 من میں ایسی جوت جگاؤ آؤ سب مل کر یہ گاؤ
 دہشت، وحشت، خون خرابہ
 دیش کو ان فتنوں سے بچاؤ

من میں ایسی جوت جگاؤ آؤ سب مل کر یہ گکاؤ
 سب کی بھاشا، پریم کی بھاشا
 ہر بھاشا کو تم اپناؤ
 من میں ایسی جوت جگاؤ آؤ سب مل کر یہ گکاؤ
 دھن دولت کا لالچ چھوڑو
 بہوؤں کو تم، یوں نہ جلاؤ
 من میں ایسی جوت جگاؤ آؤ سب مل کر یہ گکاؤ
 کون ہے جھوٹا، کون بڑا ہے
 دل سے ایسے بھید مٹاؤ
 من میں ایسی جوت جگاؤ آؤ سب مل کر یہ گکاؤ
 بھارت دھرموں کا گلدستہ
 دھرتی کو گلزار بناؤ
 من میں ایسی جوت جگاؤ آؤ سب مل کر یہ گکاؤ
 بستی بستی پیار امر ہو
 شوق تم ایسے گیت سناؤ
 من میں ایسی جوت جگاؤ آؤ سب مل کر یہ گکاؤ



گیت

اپنے ساجن سے پیار کرتی ہوں اُن پہ سب کچھ نثار کرتی ہوں
 اُن سے میری نظر کا رشتہ ہے
 جیسے دل سے جگر کا رشتہ ہے
 جیسے شب سے سحر کا رشتہ ہے
 اپنے ساجن سے پیار کرتی ہوں یاد میں بار بار کرتی ہوں
 جاڑا گرمی کہ موسمِ برسات
 دن وہ غم کا ہو یا خوشی کی رات
 لمحے میں ہے وفا کی بات
 اپنے ساجن سے پیار کرتی ہوں ہجر کو پُر بہار کرتی ہوں

جب سے پردیس کو گئے ہیں وہ
بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں وہ
جیسے پتھر ہی میں ڈھلے ہیں وہ

اپنے سا جن سے پیار کرتی ہوں میں تو بس اعتبار کرتی ہوں

وہ جو آئیں بہار آجائے

میرے دل کو قرار آجائے

زندگی میں نکھار آجائے

اپنے سا جن سے پیار کرتی ہوں مدتوں انتظار کرتی ہوں



گیت

رُت مہکی اور برسا پانی پیا ملن کو ترسا پانی
 ساون رُت متوالی دیکھو
 ہری ہری ہریاالی دیکھو
 کتنی بھولی بھالی دیکھو
 رُت مہکی اور برسا پانی پیا ملن کو ترسا پانی
 شاخ پہ کوئل بول رہی ہے
 ڈالی ڈالی ڈول رہی ہے
 بھید ملن کے کھول رہی ہے
 رُت مہکی اور برسا پانی پیا ملن کو ترسا پانی

برہ کی اگنی من کو جلائے
 نین ہمارے نیر بہائے
 پل بھر جی کو چین نہ آئے
 رت مہکی اور برسا پانی
 پیا ملن کو ترسا پانی
 کہاں چھپے ہو آؤ سا جن
 مکھ اپنا دکھلاؤ سا جن
 من کی پیاس بجھاؤ سا جن
 رت مہکی اور برسا پانی
 پیا ملن کو ترسا پانی



ہولی کا تہوار

رنگوں کی پھلوار سے سجی
 رنگ بنا سنسار
 نیلا، پیلا، اُودا، لال
 رنگوں کا دربار
 جاگ گیا سنسار
 ہولی کا تہوار —

ان رنگوں کو رنگ نہ سمجھو
 مہکے ان سے بستی بستی، نگری نگری ہر اک دوار
 یک جہتی، اخلاص، محبت، امن، مسرت، پیار
 رنگوں کی پھلوار سے مہکا اب کے برس گلزار
 اب کے برس گلزار
 رنگ بنا سنسار

شمعِ اُفتِ جلائیں گے گھر گھر
(۶ تا ۸ دسمبر ۱۹۹۲ء کے واقعات سے متاثر ہو کر)

دھرم، مذہب کا احترام کرو
جب کرو جوڑنے کا کام کرو
دل جو ٹوٹے تو جڑ نہیں سکتا
ہے یہ نکتہ اسی کو عام کرو



اپنے کردار میں ہو ایسا اثر
لڑتھڑائے کبھی نہ اپنی نظر
نفرتوں کے دیئے بجھا کر شوق
شمعِ اُفتِ جلائیں گے گھر گھر



عشق میں دل مرا کیا سے کیا بن گیا
یوں تمنا کا پھر سلسلہ بن گیا

کام آہی گیا، نسبتوں کا بھرم
اجنبی شخص بھی، آشنا بن گیا

زندگی تیج و خیم سے گزرتی رہی
لوگ چلتے گئے، راستہ بن گیا

زہرِ غم دشمنوں نے دیا تھا مگر
یہ خدا کا کرم ہے دوا بن گیا

صحنِ گلشن میں جب اُس نے انگڑائی لی
شوقِ منظر بڑا، خوش نما بن گیا



نگاہ و دل کا فاصلہ وہ اس طرح گھٹا گیا
نظر سے جب ملی نظر وہ رازِ دل سنا گیا

مری آداسیوں میں کوئی آ کے مسکرا گیا
کہ سُونی سُونی سناخ پہ نیا وہ گل کھلا گیا

مجھے چراغ جل گئے کہ چاندنی سے کھل اٹھی
وہ مسکرا ہٹوں کے پھول چار سو بچھا گیا

وہ جب تلک رہا ہمارے ساتھ زندگی رہی
وہ کیا گیا کہ زندگی کا لطف ہی چلا گیا

مری حیات نے دیئے ہیں زخمِ دل کچھ اس طرح
میں زندگی کے نام ہی سے آج تھہر تھرا گیا

بھلک دکھا کے چھپ گیا ہے جب سے اجنبی کوئی
کہ جستجوئے شوق کو کچھ اور ہی بڑھا گیا



پیر کھوں نے، جو کچھ بھی کہا ہے
جھوٹ کہاں ہے سب سچا ہے

کون کہاں یہ، چھوٹ گیا ہے
کیا تم نے بھی غور کیا ہے

ایسا کیوں ہے ہر اک انسان
اپنا چہرہ نوح رہا ہے

اُس کے بارے میں کیا کہنا
بے شک وہ تصویر وفا ہے

شوق پہ ہوگی چشمِ عنایت
موسم ایسا بول رہا ہے

لاٹور اور عثمان آباد کے
۳ ستمبر ۱۹۶۳ء کے زلزلے سے متاثر ہو کر

ہر طرف لاشوں کا اک انبار ہے
زندگی بے بس ہے اور لاچار ہے
وقت نے یوں زلزلہ پیدا کیا
زندگی اب بن گئی آزار ہے



لبوں پہ آہ و فغاں اور آنکھ پٹہ خم ہے
ہر ایک چہرہ پہ، ماتم کا ایک عالم ہے
نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے شوق نہیں
کہ آسمان کی نظر ہم پہ آج برہم ہے

زندگی

زندگی عظمتِ کردار بھی ہے
 زندگی شعلہٴ زرخسار بھی ہے
 زندگی صرف مسرت ہی نہیں
 زندگی کرب کا اظہار بھی ہے

زندگی اک کھلی کتاب ہے
 اس کا مفہوم کون سمجھا ئے
 آنِ غرض اُن کو ہارتا ہی پڑا
 جن کو دعویٰ تھا وہ سمجھ پائے